شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی (ملتان)

کتے کی دم

میزبان نے مہمان کا استقبال کیا۔ مہمان کا بچہ بھی ساتھ تھا۔ میزبان نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''یہ جناب کا فرزند ہے؟ جناب کا صاحبزادہ ہے؟ ماشاءاللہ! بہت ہونہار ہے۔''

مہمان نے جواب دیا: ''مجھے تو پتہ نہیں۔ اس کی ماں اسے ہر وقت ''کتے کی نسل، کتے کی نسل'' کہتی رہتی ہے۔''

قارئین! یہ تو برصغیر کی صدیوں کی تھکی ہوئی عورت کی کیتھارسس کی ایک کہانی ہے' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر ادھر امریکہ کے ایک اخبار ''واشنگٹن ٹائمز'' نے اپنی ۶ رمئی ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں ایک کارٹون میں دو انسان اور ایک جانور دکھائے ہیں۔ جس میں ایک باوردی امریکی ایک تربیت یافتہ کتے کو شاباش دیتے ہوئے ہدایات دے رہا ہے کہ ''چلو اب بن لادن کو تلاش کرو۔'' کتے نے ابوالفراج نامی مبینہ دہشت گرد کو کالر سے پکڑا ہوا ہے اور اسے امریکی فوجی کے سامنے ڈھیر کر رہا ہے۔ کتے پر پاکستان لکھا ہوا ہے۔

امریکہ میں پاکستان کے ایک سفارت کار نے جب اس بدتمیزی کا نوٹس لیا اور ساری پاکستانی قوم نے ہر طرف ہائے کتا! ہائے کتا! کی ہاہا کار مچائی تو اخبار کے ایڈیٹر انچیف ویزلے پروڈن نے پاکستانی سفارت خانے کے نام اپنے ایک مراسلے میں لکھا کہ کارٹونسٹ بل گارنر سے غیر ارادی طور پر پاکستانیوں کے جذبات مجروح کرنے کی گستاخی ہوئی۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کارٹون سے پیدا ہونے والی غلط فہمی پر معذرت طلب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے جذبات مجروح کرنے کا نہ تو کارٹونسٹ کا کوئی ارادہ تھا اور نہ اخبار کی یہ پالیسی ہے۔ ایڈیٹر انچیف نے اپنے مراسلے میں یقین دلایا کہ کارٹون کی اشاعت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جو امریکہ اور پاکستان دونوں کے لیے خطرناک ہیں۔ بعد ازاں اخبار زیر بحث نے اپنی ۱۰ رمئی کی اشاعت میں اس کارٹون کے حوالے سے اداریہ لکھا کہ:

> ''مشرق' مشرق ہے اور مغرب' مغرب اور یہ دونوں کبھی نہیں مل سکتے ...... ایک کتے پر غور کریں ...... وہ بہت کچھ دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور کبھی بولے گا نہیں ...... گزرے وقتوں کے انتہائی وفادار ڈیموکریٹس اپنے آپ کو ''زرد کتے'' کہا کرتے تھے۔ آج کے دور کے وفادار اپنے آپ کو ''نیلے کتے'' کہنا پسند کرتے ہیں اور ہمارے سپاہی آج کل دور دراز کے محاذوں پر ان مفادات کے لیے کتوں کی طرح کام کر رہے ہیں بلاشبہ ہم کتوں کو خدا کے عظیم ترین تحفوں میں سے ایک تحفہ سمجھتے ہیں' جس میں تحمل، وفاداری، رحمدلی اور جاں نثاری کے عمل کا اظہار ہوتا ہے۔''

قارئین! اس اداریئے سے یہ لطیفہ کتنی مطابقت رکھتا ہے کہ:

ایک دفعہ ایک فوجی آفیسر نے ایک جوان کو ''الو کا پٹھا'' کہہ دیا۔ سپاہی بپھر گیا۔ بیرک میں جا کر اپنے انچارج صوبیدار سے کہا: ''میں صاحب کو نہیں چھوڑوں گا۔'' صوبیدار نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' جوان نے کہا: ''اُس نے مجھے الو کا پٹھا کہا ہے، گالی دی ہے؟'' صوبیدار نے کہا: ''آؤ صاحب سے بات کرتے ہیں۔'' صوبیدار جوان کو ساتھ لے کر صاحب کے پاس گیا، ساری بات کی۔ صاحب سمجھ گیا کہ جوان غصے میں ہے۔ کہنے لگا: ''الو کا پٹھا ہمارے ہاں کوئی گالی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں۔'' صوبیدار نے سپاہی سے کہا: ''سنا جوان! صاحب کہتا ہے 'الو کا پٹھا' کوئی گالی نہیں ہوتی۔ تو بھی الو کا پٹھا، میں بھی الو کا پٹھا، صاحب بھی الو کا پٹھا۔ چلو! الو کا پٹھا کوئی گالی والی نہیں ہوتی۔''

افسوس اس بات پر ہے کہ پاکستان کے کچھ کتا پسند وائٹ کالر اور وائٹ ہاؤس کی نمائندگی کرنے والے کالم نویس بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ ''کتا کارٹون'' اتنا بڑا ایشو نہیں جتنا بنا دیا گیا ہے۔ یہ ایک کارٹون ہے اور بس!

حضراتِ والا! کیا یہ سب لوگ بشمول ایڈیٹر انچیف ویز لے پروڈن، کارٹونسٹ بل گارنر اور امریکہ کے ارباب اقتدار یہ بات پسند کریں گے کہ کتوں کے کارٹون بنا کر ان پر لکھ دیا جائے کہ یہ سب لوگ کتے ہیں۔

یوں تو امریکہ بہت ترقی یافتہ ملک ہے۔ جس ملک میں بھی وہ اپنے سفیر، جاسوس یا کسی نمائندے کو بھیجتا ہے۔ اس نمائندے یا سفیر کو اس ملک کی زبان، محاورہ، تہذیب، رہن سہن، رسم ورواج، پسند وناپسند کے بارے میں مکمل آگاہی کروائی جاتی ہے۔ یہ کیسے مان لیا جائے کہ موئنوں کے مقرر کردہ ایڈیٹر انچیف اور کارٹونسٹ نے پاکستان کو (جس سے پوری پاکستانی قوم مراد ہے) دیدہ دانستہ کتا نہیں کہا؟ جنہیں انسانوں کے مقابلے میں کتوں سے زیادہ پیار ہے۔ ذرا روزنامہ ''جنگ'' کی ۲۳ رمئی ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں وہ تصویر ملاحظہ کیجیے جس میں صدر بش وائٹ ہاؤس کی ایک تقریب میں اپنے کتے کا منہ چوم رہے ہیں اور دوسری طرف اس سفاک حکمران کا یہ عالم ہے کہ عراق، افغانستان، فلسطین، لبنان میں انسانوں کے کشتوں کے پشتے لگاتا چلا جارہا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یونس بٹ نے لکھا ہے:

''کتوں کو گھر میں نہیں رکھنا چاہیے کہ انسانوں کے ساتھ رہ کر ان کی عادتیں خراب ہو جاتی ہیں۔''

قارئین! یہاں پاکستان کے ایک انگریزی روزنامہ ''دی نیوز'' کے جنابِ ریحان قیوم کے کارٹون پر تبصرے کا ذکر موضوع سے ہٹ کر نہ ہوگا کہ:

> ''مغربی ثقافتوں میں کتے سے بہت پیار کیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی 'کتا' کتا ہی ہوتا ہے۔ یہ اپنے مالک سے محبت کرتا ہے اور اسے ہدایات پر عمل کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہ اپنے مالک کے مساوی نہیں ہوتا اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک جانور ہے۔ ثقافتی اختلافات کے متعلق یہ تمام مہمل باتیں ہیں...... کیونکہ

ہماری تصویر کشی ایک کتے کے طور پر کی گئی ہے۔زخموں پر نمک چھڑکنے کے برابر ہے۔کارٹونسٹ غالباً سوچتا ہوگا کہ ہم ذہنی طور پر مر چکے ہیں اور یہ کہ ہم جاہل ہیں۔''

قارئین! کارٹونسٹ نے مبینہ طور پر پورے پاکستان کو امریکہ کا ایک پالتو کتا قرار دیا ہے۔ایک ایسا پالتو کتا جو امریکہ کے ایک اشارے پر' اپنے ملک کے کونوں کھدروں سے، گلی محلوں سے امریکہ کے نامزد مسلمانوں کو چن چن کر امریکہ بہادر کے حوالے کر رہا ہے۔یہ الگ بحث ہے کہ اس عمل کو پاکستانی اکثریت پسند نہیں کرتی یا عوام کا ردّعمل کیا ہے؟ مگر یہ بات مسلّم ہے کہ یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں۔مسلمانوں کی دلآزاری اور تذلیل ان کا مشن ہے۔صدر بش نے افغانستان پر حملہ کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ صلیبی جنگوں کا آغاز ہو چکا ہے۔آخر بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا، الجزائر، انڈونیشیا کے باشندوں کا کیا قصور ہے۔یہی نا کہ وہ مسلمان ہیں۔کیا دنیا میں صرف یہودی اور عیسائی ہی انسان ہیں۔کیا اسے ہی انسانی حقوق کا تحفظ کہتے ہیں؟

باقی رہی یہ بات کہ چونکہ پاکستانی حکومت نے افغانی مسلمانوں کے خلاف یورپی یونین اور امریکہ کا ساتھ دیا ہے۔لہٰذا یورپ کے لوگ پاکستان سے مخلص ہیں۔اس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ایں خیال است ومحال است وجنوں! جیسا کہ کتے کے اس کارٹون سے ظاہر ہے اور پھر اللہ کی بات کیسے غلط ہو سکتی ہے کہ

''یہودی اور عیسائی کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔''

قارئین کرام!

کتا اگر اشٹام پیپر پر لکھ کر دے دے کہ اس کی دم سیدھی ہو جائے گی تو کیا آپ یقین کر لیں گے؟